خطبہ جمعہ

جو شخص اپنی نجات چاہتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غلامی کا تعلق پیدا کرے

جب انسان فرشتوں کی تحریک پر نیکی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں فرشتے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیتا ہے کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے

(مختلف آیات قرآنیہ کے حوالہ سے صفت رحیمیت کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ اور آیات میں مذکور اہم مضامین و مسائل کی نہایت پر معارف تشریح)

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز - فرمودہ ۱۵؍جون ۲۰۰۱ء ۱۵؍احسان ۱۳۸۰ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –

الحمدلله رب العٰلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –

اهدنا الصراط المستقيم– صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ. اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا. لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (سورۃ الاحزاب آیات ۷۳، ۷۴)

سورۃ الاحزاب کی یہ ۷۳ویں اور ۷۴ویں آیتیں ہیں۔ ان کا سادہ ترجمہ یہ ہے: یقیناً ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے جبکہ انسانِ کامل نے اسے اٹھالیا۔ یقیناً وہ (اپنی ذات پر) بہت ظلم کرنے والا (اور اس ذمہ داری کے عواقب کی) بالکل پرواہ نہ کرنے والا تھا۔ تاکہ اللہ منافق مَردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مَردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر توبہ قبول کرتے ہوئے جھکے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ جو صفات باری تعالیٰ کا مضمون جاری ہے یہ ایک لامتناہی سمندر ہے۔ اس میں جتنا بھی سفر کرتے چلے جائیں کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور مجھے یہ موقع مل رہا ہے کہ اس مضمون کے حوالہ سے قرآن کریم کا مختصر درس دیتا چلا جاؤں اور بہت سے مسائل جو لوگوں کے ذہن میں نہیں ہوتے وہ اس مضمون کے حوالہ سے مختصراً کچھ ان پر ظاہر کر دوں۔ اس سلسلہ میں امانت کے لفظ کے تعلق میں سب سے پہلے مَیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

”دراصل امانت اور اسلام کی حقیقت ایک ہی ہے“۔ یعنی اسلام ہو یا امانت کہہ لو، دراصل ایک ہی چیز ہے۔ تو اسلام کو پیش کیا تھا جس سے دنیا کے بڑے بڑے پہاڑوں کے برابر انسانوں نے بھی خوف محسوس کیا۔ ”اور امانت اور اسلام دراصل محمود چیز ہے“۔ اب یہ بھی ایک بہت خوبصورت نکتہ ہے کہ اسلام اور امانت دونوں ہی جب ایک ہی چیز کے دو نام ہیں تو یہ ایک محبوب چیز یعنی خوبصورت چیز ہیں اس سے ڈرانے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ اس میں کوئی خوف کا پہلو نہیں ہے بلکہ بڑے شوق کے ساتھ انسان اس امانت کو اٹھا سکتا ہے لیکن ﴿ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ وہ اپنے نفس کے اوپر ظلم کرنے والا اور عواقب سے بے خبر ہے۔

ان دو چیزوں کو جب جوڑیں تو بالکل صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے سے مراد یہ نہیں ہے کہ گناہوں میں ملوث بلکہ گناہوں سے باز رکھنے میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہو اور اپنے نفس پر سختی کے نتیجہ میں جو بھی عواقب ہوں ان سے بے پرواہ ہو جائے۔ پس فرماتے ہیں: ”پس جس نے ایک محمود اور پسندیدہ چیز کو قبول کر لیا اور خدا تعالیٰ کے حکم سے منہ نہ پھیرا اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھا، وہ لائق مذمت کیوں ٹھہرے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت کے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ یعنی انسان نے جو امانت کو قبول کر لیا اور عملاً اس کے پابند نہیں ہوئے وہ معذب ہوں اور مومنین اور مومنات جنہوں نے امانت کو قبول کر کے عملاً پابندی بھی اختیار کی وہ موردِ رحمت الٰہی ہوں۔ یہ آیت بھی صاف اور صریح طور پر بول رہی ہے کہ آیت موصوفہ میں ظلوم و جہول سے مراد مومن ہیں“۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دیگر فقہاء کا اور علماء کا تفصیلی ذکر فرماتے ہیں جو کہ اس تفصیل کو میں نے یہاں چھوڑ دیا ہے۔ اختصار کے ساتھ اتنا کافی ہے۔ ”ماسوا اس کے اس معنے کے کرنے میں یہ عاجز منفرد نہیں۔“ یعنی یہ جو ظلوم اور جہول کا مَیں نے معنی لیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کی خاطر اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور خدا کی خاطر ظلم کے نتیجہ میں عواقب سے بے خبر و بے پرواہ ہونے والا۔ فرماتے ہیں: ”چنانچہ منجملہ ان کے صاحب فتوحات مکیّہ ہیں“۔ منجملہ ان کے یعنی بہت سے محقق اور فضلاء نے جو زبان کے ماہر ہیں ان میں سے ایک فتوحات مکیہ کے لکھنے والے بھی ہیں۔ ”جو اہل زبان بھی ہیں وہ اپنی کتاب تفسیر میں جو مصر کے چھاپہ میں چھپ کر شائع ہوئی ہے یہی معنے کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے زیر تفسیر آیت ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ یہی معنی لکھے ہیں کہ یہ ظلوم و جہول مقام مدح میں ہے“۔ یعنی ظلم کرنے والا دوسروں پر نہیں بلکہ اپنے نفس پر۔ اور جہول اس نفس پر ظلم کرنے کے نتیجہ میں جو بھی اس کے عواقب ہوں اس سے بے پرواہ ہو جائے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں: ”ہم نے اپنی امانت کو جو امانت کی طرح واپس دینی چاہئے تمام زمین و آسمان کی مخلوق پر پیش کیا۔ پس سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرے کہ امانت کے لینے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو مگر انسان نے اس امانت کو اپنے سر پر اٹھا لیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا۔ یہ دونوں لفظ انسان کے محل مدح میں ہیں، نہ محل مذمت میں“۔ یعنی تعریف کے لئے استعمال ہوئے ہیں مذمت کے لئے نہیں۔ ”اور ان کے معنے یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں ایک صفت تھی کہ وہ خدا کے لئے اپنے نفس پر ظلم اور سختی کر سکتا تھا اور ایسا خدا تعالیٰ کی طرف جھک سکتا تھا کہ اپنے نفس کو فراموش کر دے اس لئے اس نے منظور کیا کہ اپنے تمام وجود کو امانت کی طرح پاوے اور پھر خدا کی راہ میں خرچ کر دے“۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۳۹)

اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ الانسان سے مراد مومن بھی ہے اور گزشتہ انبیاء بھی ہونگے۔ لیکن اصل انسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہیں کیونکہ جو امانت آپؐ نے اٹھائی وہ قرآن کی امانت تھی اور قرآن کی امانت کو اٹھانے والا محل مذمت میں بہرحال نہیں ہو سکتا۔ اس نے بہت بڑا بوجھ اپنے سینہ پر اٹھا لیا ہے۔ یہ مفہوم ہے اس آیت کا۔ تو انسان سے مراد انسانِ کامل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔ آپؐ نے اس امانت کا حق ادا کرنے میں ہر قسم کی سختی قرآن کریم کا پیغام پہنچانے کے لئے برداشت کی۔ فتح مکہ سے پہلے بھی مکی زندگی میں بھی اور مدنی زندگی میں بھی اور کبھی کسی مقام میں کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ مگر خدا تعالیٰ کا پیغام بڑی جرأت کے ساتھ جو بطور امانت آپ کے دل پر نازل ہوا تھا آپؐ پیش کرتے رہے۔ پس محل مدح میں ہونے کے لحاظ سے انسان کامل سے میں یہ مراد لیتا ہوں کہ یہاں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

اب ایک اور آیت ہے جس میں غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کا آخر پر ذکر آتا ہے۔ وہ ہے ﴿یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ . قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ . وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ یہ ایک ہی آیت ہے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۱۔ اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے: اے نبی! یقیناً ہم نے تجھ پر تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر تو اُنہیں دے چکا ہے اور وہ عورتیں بھی جو تیرے زیر نگیں ہیں یعنی جو اللہ نے تجھے غنیمت کے طور پر عطا کی ہیں اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے اور ہر مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے حضور پیش کر دے بشرطیکہ نبی یہ پسند کرے کہ اس سے نکاح کرے۔ (یہ) مومنوں سے الگ خالصۃً تیرے لئے ہے۔ ہمیں علم ہے جو ہم نے ان کی بیویوں کے بارہ میں اور ان کے زیر نگیں عورتوں کے بارہ میں ان پر فرض کیا ہے۔ (یہ واضح کیا جارہا ہے) تاکہ تجھ پر (اُن کے خیال سے) کوئی تنگی نہ رہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کا مفہوم مَیں آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اجازت تھی بیک وقت نو بیویاں تک رکھیں اور صحابہ کو اجازت تھی کہ چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھنی اور چار بیویوں کا دستور بھی ایسا تھا کہ ہر صحابی کو یہ طاقت ہی نہیں تھی۔ اکثر تو ایک بیوی کو سنبھالنا بھی مشکل سمجھتے تھے۔ تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو مخاطب کر کے جو فرمایا گیا ہے تاکہ تجھے حرج محسوس نہ ہو اس کی بنیادی وجہ آپ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سارے عرب کے دلوں کو فتح کرنے کے لئے آئے تھے اور دلوں کو فتح کرنے کے دو طریق تھے۔ ایک تو وہ روحانی طریق تھا کہ آپ بے حد رحمان اور رحیم اور شفقت کرنے والے اور بہت زیادہ اُن کی خاطر دکھ اٹھانے والے تھے جس کے نتیجہ میں ازخود دلوں نے بہر حال فتح ہونا تھا۔ لیکن ان کے دلوں کو فتح کرنا جو بہت سخت دل قوم تھی یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تو ان کے لئے نرم بھی ہو جاتا تب بھی ناممکن تھا کہ تو ان سخت دلوں پر قبضہ کر لیتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کر لے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو عربوں کے دل فتح فرمائے اس میں خالصۃً خدا تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو یہ موقع عطا ہوا۔

اب دوسری بات ہے قبائل کو جوڑنا۔ تو عرب قبائل میں یہ دستور تھا کہ جن کی بیٹیاں کسی کے ہاں چلی جائیں وہ اس کے مطیع ہو جاتے تھے اور برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ جہاں ان کی بیٹی گئی ہے اس کے اوپر وہ زیادتی کریں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو زیادہ بیویوں کی اجازت اس لئے ملی کہ آپؐ نے بہت سے قبائل سے بیٹیاں لینی تھیں اور ان قبائل کو اکٹھا جوڑنا تھا اور یہ جو مستشرقین بیہودہ بات کرتے ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی نفسانیت کا دخل تھا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیات جو نازل ہوئی ہیں یہ مدینہ میں آخر پر نازل ہوئی ہیں اور آنحضرت ﷺ تو اپنے سے بہت بڑی عمر کی بیوہ سے شادی کر چکے تھے اور بڑی محبت سے اس پیمان وفا کو آپؐ نے نبھایا۔ اگر کوئی نفسانیت ہوتی تو وہ عمر تھی یعنی مکی زندگی کی جس میں آپ کو شادیاں کرنی چاہئے تھیں مگر آپؐ نے کوئی شادی نہیں کی۔ پس مدنی زندگی میں آنحضرت ﷺ کا شادیاں کرنا یہ ایک دلیل ہے اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ کی نفسانیت کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا اس وقت تو آپ بوڑھے ہو چکے تھے جبکہ آپ کو اجازت ملی ہے۔ پس اس اجازت سے جو مستشرقین ناجائز نتیجہ نکالتے ہیں یہ بالکل ظلم اور سراسر زیادتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پاک ذات پر اس قسم کے الزامات لگائے جا سکتے ہی نہیں۔

اب مَیں حضرت امام بخاریؒ کی کتاب صحیح بخاری سے کتاب التفسیر سے اس آیت کریمہ سے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بیان کرتا ہوں۔ حدیث وہ ہوتی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جائے۔ اَثَر وہ ہوتا ہے جس میں کوئی بزرگ صحابی اپنی طرف سے آنحضرت ﷺ کے مزاج کو سمجھتے ہوئے آپؐ کے متعلق کوئی بات کرے۔ تو یہ حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق آپ کے ایک بزرگ صحابی کی حدیث مروی ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ قرآن کریم میں بعض ایسے امور ہیں جن کی مجھے سمجھ نہیں آتی .... اور مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر کیا۔ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا، كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا، كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ اس نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا کہ سمجھ یہ نہیں آتی کہ اس میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے گویا خدا کسی زمانہ میں غفور رحیم تھا اب نہیں رہا، گویا خدا کسی زمانہ میں غالب، عزت والا تھا اب نہیں رہا، گویا کسی زمانہ میں بہت سننے والا تھا اور بہت دیکھنے والا تھا لیکن اب نہیں رہا۔ كَانَ سے اس نے یہ مفہوم نکالا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس پر فرمایا یہاں كَانَ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی یہ صفات ازل سے ہیں یعنی یہ خیال دل سے نکال دو کہ اَب وہ غفور رحیم ہوا ہے۔ یہ مراد ہے کہ ہمیشہ ہمیش سے وہ غفور رحیم ہے اور جو ہمیشہ سے غفور رحیم ہے وہ آئندہ بھی ہمیشہ غفور رحیم رہے گا۔ یہ عمدہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے کی اس لئے اس کو ہم اَثَر کہتے ہیں۔ یعنی اپنی طرف سے یہ تفسیر کی جو بالکل درست تھی۔

ایک اور آیت سورۃ الاحزاب ہی سے ہے ساٹھویں آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ . ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ . وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾۔ اے نبی! تُو اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر جھکا دیا کریں۔ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور انہیں تکلیف نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یہاں بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا اس لئے ہے کہ وہ بھی بار بار تکلیف دیتے تھے آنحضور ﷺ کو اور مسلمان خواتین کو اور اس کے باوجود خدا ان سے پردہ پوشی کرتا تھا اور بخش دیتا تھا اور پھر انہی میں سے اسلام پر جانیں فدا کرنے والے بھی پیدا ہو گئے۔ ﴿رَحِیْمًا﴾ سے مراد ہے بار بار رحم کرنے والا، بار بار موقع دینے والا اور بار بار ان سے رحمت کا سلوک کرنے والا۔

اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی ایک تفسیر مَیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ بہت ہی لطیف تفسیریں ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمائی ہیں۔ ’’ان آیات کا مطلب اور قصہ یہ ہے کہ مدینہ کے بعض بدمعاش، مسلمان عورتوں کو چھیڑتے تھے اور عورتوں کو دُکھ دے کر اُن کے متعلق لوگوں کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ چونکہ بظاہر مومن ہونے کے مدّعی تھے، اس لئے جب پکڑے جاتے تو عذر کر دیتے کہ اس کو ہم نے پہچانا نہیں۔ اسی واسطے یہ نشان لگایا گیا۔ غور کرو۔ یہ کلمہ قرآن کریم کا ﴿اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ﴾ اور ما قبل کی آیت کس صفائی سے بتاتی ہے کہ بڑی چادر ایک نشان تھا اور ان سے واضح ہوتا تھا کہ ایک شرارت کی بندش اسلام نے کی ہے۔ اس لئے اُس نشان کے بعد فرمایا کہ اب بھی اگر شریر شرارت سے باز نہ آئے تو ہم ان کو خوفناک سزا دیں گے۔ افسوس ایسے نشانوں اور سچی باتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے‘‘۔

(نورالدین۔ طبع ثالث۔ صفحہ ۲۲۲)

کیا اعتراض کیا جاتا ہے اس کی تفصیل تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے نہیں لکھی مگر یہ اعتراض اور اعتراضوں میں سے ایک تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ان لوگوں پر جنہوں نے مسلمان عورتوں پر ظلم کیا ہو، بہت سختی کی ہے اور ان کو مدینہ سے نکال دینے کی دھمکی بھی دی ہے اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کے عذاب کی تنبیہ بھی کی ہے کہ اس کے علاوہ یہ عذاب بھی تم پر نازل ہوگا۔ اس اعتراض کے جواب کے طور پر یہ آیت کریمہ ہے کہ دیکھو تم لوگ ظلم میں حد سے بڑھ گئے ہو۔ صرف نبی کی بیویوں پر ہی ظلم نہیں کرتے بلکہ عام

مسلمان عورتوں پر بھی ظلم کرتے ہو اور بعد میں بہانہ بنالیتے ہو کہ ہمیں تو پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہے۔ ہم سمجھتے تھے مدینہ کی کوئی عورت ہے یعنی یہود یا مشرک عورت بھی ہو سکتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اب واضح طور پر ان کی نشانی یہ کر دی گئی ہے کہ یہ اوڑھنیاں اوڑھا کریں گی جس طرح گھونگھٹ نکال کے چلتی ہیں خواتین، اس طرح یہ بھی گھونگھٹ لیا کریں گی اور اب تمہیں ان کو پہچاننے میں کہ یہ کون ہیں، یہ مسلمان خواتین ہیں کوئی دِقت نہیں ہونی چاہئے۔ اگر اس کے باوجود بھی تم نے شرارت کی تو پھر بہت سختی سے تم سے نپٹا جائے گا لیکن یاد رکھو کہ اس سب ظلم کے باوجود جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت امام اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت یہ حدیث بیان فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین میں سے بعض لوگ جو کثرت سے قتل وغارت اور زنا وغیرہ کے مرتکب رہ چکے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اور جس طرف بلاتے ہیں وہ بہت خوب ہے۔ کاش کہ آپؐ ہمیں یہ بتادیں کہ ہم جو کچھ کر چکے ہیں اس کا کوئی کفارہ ہے بھی کہ نہیں۔ اس پر آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَايَزْنُوْنَ﴾ نازل ہوئی اور آیت ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئیں۔

(بخاری کتاب التفسیر)

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت یہ حدیث درج فرمائی ہے۔ حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علاء بن زیاد لوگوں کو دوزخ کے بارہ میں وعظ کر رہے تھے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگوں میں مایوسی کیوں پھیلاتے ہو یعنی اتنا سختی سے دوزخ کی دھمکیاں دے رہے ہیں کہ سب لوگ مایوس ہو جائیں گے کہ ہم تو نہیں بخشے جا سکتے۔ انہوں نے کہا مَیں لوگوں میں کوئی بھی مایوسی نہیں پھیلا سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کیسے مَیں مایوسی پھیلا سکتا ہوں جب اللہ تعالیٰ وعدہ فرما رہا ہے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ نیز فرماتا ہے ﴿وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ کہ وہ لوگ جو زیادتیوں پر مصر رہیں اور زیادتیاں کرتے چلے جائیں وہ یقیناً اہل نار میں سے ہیں۔ لیکن تم چاہتے ہو کہ تمہاری بداعمالیوں کے باوجود تمہیں جنت کی بشارت دی جائے یہ تو نہیں ہو سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو آپؐ کی اطاعت کرنے والوں کے لئے مبشر بنا کر اور آپؐ کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے منذر بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید کی ایک روایت ترمذی کتاب تفسیر القرآن میں درج ہے۔ حضرت اسماءؓ بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو آیت ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُالذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ پڑھتے سنا۔ یعنی اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور پرواہ بھی نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”ان کو کہہ دے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا“۔ یعنی اسراف سے مراد ہے بڑے بڑے گناہ کئے۔ ”تم خدا کی رحمت سے نومید مت ہو۔ وہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا۔ اب ظاہر ہے کہ بنی آدم آنحضرت ﷺ کے تو بندے نہیں تھے لیکن سب نبی وغیر نبی خدائے تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کو اپنے مولا کریم سے قُربِ اتم یعنی تیسرے درجہ کا قرب حاصل تھا سو یہ سخن بھی مقام جمع سے سرزد ہوا“۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹ حاشیہ)

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ ”یہ سخن بھی مقام جمع سے سرزد ہوا“ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے اتنے کامل بندے تھے کہ خدا تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اجازت دی کہ وہ ان کو جو بندے اللہ کے تھے یہ کہہ کے مخاطب کرے کہ اے میرے بندو! لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ جب ہم خدا کا بندہ کہتے ہیں تو اس سے مراد ہے خدا کے پیدا کردہ بندے۔ جب محمدؐ کا بندہ کہتے ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ محمدؐ کے غلام، کیونکہ عبد کے دونوں معنے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جب فرماتے ہیں 'يٰعِبَادِيْ' تو اس سے مراد یہ نہیں کہ میرے بندو جن کو مَیں نے پیدا کیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اے میرے غلامو! میری اطاعت کرنے والو! میری راہ پر چلنے والو!۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں: ”انسان تو دراصل بندہ یعنی غلام ہے۔ غلام کا کام یہ ہوتا ہے کہ مالک جو حکم کرے اسے قبول کرے۔ اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ اس جگہ بندوں سے مراد غلام ہی ہیں نہ کہ مخلوق۔ رسول کریم ﷺ کے بندہ ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ آپ پر درود پڑھو اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو سب حکموں پر کاربند رہو“۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ بتاریخ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۹)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی آیت کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”کہہ اے میرے غلامو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے“۔ یہاں غلام مراد لی ہے بندے مراد نہیں لئے ”کہ تم رحمت الٰہی سے ناامید مت ہو۔ خدا تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا۔ اب اس آیت میں بجائے قُلْ يٰعِبَادَ اللّٰهِ کے جس کے معنے ہیں کہ اے خدا تعالیٰ کے بندو! یہ فرمایا کہ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ﴾ یعنی کہہ کہ اے میرے غلامو! اس طرز کے اختیار کرنے میں بھید یہی ہے کہ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی ہے کہ تا خدا تعالیٰ بے انتہا رحمتوں کی بشارت دیوے اور جو لوگ کثرت گناہوں سے دل شکستہ ہیں ان کو تسکین بخشے۔ سو اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس آیت میں چاہا کہ اپنی رحمتوں کا ایک نمونہ پیش کرے اور بندہ کو دکھلاوے کہ مَیں کہاں تک اپنے وفادار بندوں کو انعامات خاصہ سے مشرف کرتا ہوں۔ سو اس نے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيْ﴾ کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میرا پیارا رسول۔ دیکھو یہ برگزیدہ بندہ کہ کمال طاعت سے کس درجہ تک پہنچا کہ اب جو کچھ میرا ہے وہ اس کا ہے۔ جو شخص نجات چاہتا ہے وہ اس کا غلام ہو جائے یعنی ایسا اس کی طاعت میں محو ہو جائے کہ گویا اس کا غلام ہے“۔

غلام اپنے مالک کی اطاعت میں کامل ہوتا ہے یعنی غلام کا جو کچھ بھی ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ مالک کا ہوتا ہے۔ مالک کے پیچھے قدم قدم چلتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پیروی اس طرح کی ہے کہ اس کی صفات کے قدم پر قدم مارے ہیں اور کاملۃً اللہ کی رضا پر آپ نے قدم اٹھائے ہیں۔ اس لئے فرمایا چاہئے کہ تم اس کے غلام ہو جاؤ۔ گویا جو اس کا غلام ہے ”تب وہ گو کیسا ہی پہلے گنہگار تھا بخشا جائے گا“۔ شرط یہ ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی غلامی اختیار کرے۔

”جاننا چاہئے کہ عبد کا لفظ لغت عرب میں غلام کے معنوں پر بھی بولا جاتا ہے“۔ اب دیکھئے ایک ہی لفظ مختلف محلوں کے اعتبار سے معنے مختلف دیتا ہے جب اللہ کا بندہ کہیں تو اللہ کی مخلوق بندہ مراد ہوتی ہے۔ جب محمدؐ کا بندہ کہیں تو محمدؐ کا غلام مراد ہوتے ہیں نہ کہ محمدؐ کا بندہ۔ ”جیسا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے ﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ﴾“ جیسے ایک دوسری جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس لفظ عبد کو کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ مومن غلام مشرک آزاد کی نسبت بہتر ہے ”اور اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اپنی نجات چاہتا ہے وہ اس نبی سے غلامی کی نسبت پیدا کرے یعنی اس کے حکم سے باہر نہ جاوے اور اس کے دامن طاعت سے اپنے تئیں وابستہ جانے جیسا کہ غلام جانتا ہے۔ تب وہ نجات پائے گا۔ اس مقام میں ان کور باطن نام کے موحدوں پر افسوس آتا ہے جو ہمارے نبی ﷺ سے یہاں تک بغض رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ نام کہ غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام احمد، غلام محمد شرک میں داخل ہیں“۔

پس عجیب ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک فرقہ اتنا انتہا پسند ہے کہ ان ناموں کو بھی وہ شرک قرار دیتے ہیں۔ غلام احمد، محمد کا غلام، نبی کا غلام، مصطفیٰ کا غلام، ان سب باتوں کو شرک سمجھتے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ غلام صرف اللہ کا ہو سکتا ہے حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام

ہے، آپ کا بندہ عبد کے معنوں میں نہیں ہے اور اس پہلو سے اس میں شرک کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ "اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدار نجات یہی نام ہیں اور چونکہ عبد کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ ہر ایک آزدگی اور خودروی سے باہر آجاوے"۔ یعنی ان میں عبد ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کہ ہر قسم کی آزادی چھوڑ دی خدا کی رضا کی خاطر اور کامل طور پر خدا ہی کے بندے ہو گئے۔ اور خودروی کی بجائے اس راہ پر چلے جو اللہ نے تجویز فرمائی تھی۔

"اور پورا متبع اپنے مولا کا ہو اس لئے حق کے طالبوں کو یہ رغبت دی گئی کہ اگر نجات چاہتے ہو تو یہ مفہوم اپنے اندر پیدا کریں اور در حقیقت یہ آیت اور دوسری آیت ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ ازروئے مفہوم کے ایک ہی ہیں کیونکہ کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم میں پائی جاتی ہے"۔ ان دو آیتوں کا مضمون جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں بنیادی طور پر ایک ہے۔ "کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے"۔ کامل طور پر اتباع ہو ہی نہیں سکتی اور نہ کامل طور پر محویت تامہ یعنی پوری طرح اپنے وجود کو ایک ذات کے خیال میں محو کر دینا یہ ممکن نہیں ہے جب تک کہ اطاعت تامہ نہ ہو اور پوری طرح اس وجود کی عبدیت میں انسان شامل نہ ہو جائے۔

"یہی سرّ ہے کہ جیسے پہلی آیت میں مغفرت کا وعدہ بلکہ محبوب الٰہی بننے کی خوشخبری ہے گویا یہ آیت کہ ﴿قُلْ يٰعِبَادِىَ﴾ دوسرے لفظوں میں اس طرح پر ہے کہ قُلْ یا مُتَّبِعِی کہ اے میری پیروی کرنے والو"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے بندے نہیں کہہ رہے بلکہ کہہ رہے ہیں کہ اے میری پیروی کرنے والو۔ "جو بکثرت گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہو رحمت الٰہی سے نومید مت ہو کہ اللہ جَلّ شَانُہٗ بہ برکت میری پیروی کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اور اگر عِبَاد سے مراد اللہ تعالیٰ کے بندے ہی مراد لئے جائیں تو معنے خراب ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ ہرگز درست نہیں کہ خدا تعالیٰ بغیر تحقق شرط ایمان اور بغیر تحقق شرط پیروی کے تمام مشرکوں اور کافروں کو یونہی بخش دیوے۔ ایسے معنے تو نصوص بینہ قرآن سے صریح مخالف ہیں"۔

اب یہ عبارت بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عام لوگوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لائق ہے۔ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہاں عبادی سے مراد اللہ کے بندے نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے بندے کا لفظ تو مشرکوں پر بھی صادق آتا ہے اور کفار پر بھی صادق آتا ہے، یہود اور عیسائی سارے اس لفظ کے اطلاق کے مستحق ہیں کیونکہ وہ خدا کے بندے، خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ تو ان سب کو کیا خدا تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی ہے کہ تم جو مرضی کرتے پھرو، شرک کرو، گناہ عظیم کرو، گناہ کبیرہ کرو مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت سے مَیں تمہیں بخش دوں گا۔ یہ تو بالکل بے تعلق بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت تو اسی کو نصیب ہو گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی پیروی کرے گا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: "جو لوگ دل و جان سے تیرے یا رسول اللہ کے غلام بن جائیں گے ان کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائے گا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رہائی دیدے گا اور وہ گناہوں سے نجات پا جائیں گے اور اسی دنیا میں ایک پاک زندگی ان کو عطا کی جائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے۔ اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے "اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِىْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِىْ" یعنی مَیں وہ مُردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں"۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۹۰۔۱۹۴)

اب سورۃ الزمر میں بھی اسی مضمون کی ایک آیت موجود ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ . اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾۔ تو کہہ دے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقیناً اللہ تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے۔ یقیناً وہی بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت امام بخاری کتاب التفسیر میں درج کرتے ہیں: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین میں سے بعض لوگ جو کثرت سے قتل و غارت اور زنا وغیرہ کے مرتکب رہ چکے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اور جس طرف بلاتے ہیں وہ بہت خوب ہے کاش کہ آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ ہم جو کچھ کر چکے ہیں اس کا کوئی کفارہ بھی ہے کہ نہیں۔ اس پر آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ نازل ہوئی اور آیت ﴿قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی۔ تو یہ وہی مضمون ہے جو پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے اس کی تکرار کی اب یہاں ضرورت نہیں۔

سورۃ حم السجدۃ کی ۳۱ تا ۳۳ تین آیات ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ. نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ . وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ. نُزُلًامِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ یہ وہ آیات ہیں جو میں نماز عشاء میں اکثر تلاوت کرتا رہتا ہوں اس کے متعلق پہلے میں سادہ ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ ہے، پھر استقامت اختیار کی، اُن پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت (کے ملنے) سے خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ ہم اس دنیوی زندگی میں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہو گا جس کی تمہارے نفس خواہش کرتے ہیں اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہو گا جو تم طلب کرتے ہو۔ یہ بہت بخشنے والے (اور) بار بار رحم کرنے والے کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہے۔

اب پہلا استنباط تو اس میں سے یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں وحی بند ہو گئی ہے اب اس آیت کو کہاں سے کہاں لے جائیں گے۔ فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ گونگے فرشتے نہیں بلکہ بولتے ہوئے اور نازل ہو کر یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ خوف نہ کرو جو کچھ تم نے ماضی میں کیا اس پر غم نہ کھاؤ، اس جنت کے ملنے سے خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دئے جاتے ہو۔

پھر وحی ایسی کہ ہمیشہ وہ فرشتے ساتھ رہنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہم اس دنیوی زندگی میں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہو گا جس کی تمہارے نفس خواہش کرتے ہیں اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہو گا جو تم طلب کرتے ہو۔ یہ بہت بخشنے والے اور بار بار رحم کرنے والے کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: "وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر انہوں نے استقامت اختیار کی یعنی اپنی بات سے نہ پھرے اور طرح طرح

کے زلازل ان پر آئے مگر انہوں نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیا، ان پر فرشتے اترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کچھ خوف نہ کرو اور نہ کچھ حزن کرو۔ اور اس بہشت سے خوش ہو جس کا تم وعدہ دئے گئے تھے۔ یعنی اب وہ بہشت تمہیں مل گیا ہے اور بہشتی زندگی اب شروع ہو گئی"۔ یعنی بہشتی زندگی اس دنیا میں بھی نصیب ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اس دنیا میں جس قسم کی مرضی ہے گندی زندگی گزار لیں آگے جا کے بہشت مل جائے گی یہ جھوٹ ہے۔ سچوں کو بہشتی زندگی اسی دنیا میں ضرور مل جاتی ہے اور ان پر فرشتوں کا نزول بھی ہوتا ہے اور ایسا نزول کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ان سے مختلف صورتوں میں کلام کرتے رہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"بہشتی زندگی اب شروع ہو گئی۔ کس طرح شروع ہو گئی ﴿نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ...... الخ﴾ اس طرح کہ ہم تمہارے متولی اور متکفل ہو گئے اس دنیا میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے اس بہشتی زندگی میں جو کچھ تم مانگو وہی موجود ہے۔ یہ غفور رحیم کی طرف سے مہمانی ہے۔ مہمانی کے لفظ سے اس پھل کی طرف اشارہ کیا ہے جو آیت ﴿تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ﴾ فرمایا گیا تھا"۔ (جنگ مقدس صفحہ ۴۴)۔ اب اس چھوٹے سے اشارہ میں بہت لمبا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمادیا ہے۔ ﴿تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ﴾ سے مراد وہ شجر طیبہ ہے جو اللہ کے حکم سے ہر موسم میں پھل لاتا ہے۔ خزاں ہو یا بہار ہو اس کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جڑیں تو اس کی بظاہر زمین میں ہی پیوست ہوتی ہیں لیکن شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام بہترین پھلوں سے مرصع فرماتا ہے۔ پس یہ اس آیت کی اصل تفسیر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے۔

ایک سورۃ الشوریٰ کی چھٹی آیت ہے ﴿تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِھِنَّ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ. اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ جائیں اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ (اس کی) تسبیح کر رہے ہوں اور وہ ان کے لئے جو زمین میں ہیں بخشش طلب کر رہے ہوں۔ خبردار! یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

فرشتے انسان کی مدد کریں اور ان کے لئے بخشش طلب کریں اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان فرشتوں کی بات مانے تو فرشتے اس کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اگر فرشتوں کی تحریک کو ہر انسان رد کرتا چلا جائے تو ان کے لئے فرشتے مغفرت طلب نہیں کرتے۔ اور دوسرا یہ معنیٰ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ انسان اپنی ذات میں خود مغفرت طلب کرنے سے مغفرت نہیں پالیتا سوائے اللہ کے ان پاک بندوں کے جن کو نبی معصوم کہا جاتا ہے۔ عام انسان کو مغفرت، مغفرت کہنے سے مغفرت نہیں مل جاتی۔ فرشتوں کی تحریک پر جب وہ نیکی اختیار کرتے ہیں تو ان فرشتوں کی تحریک کے نتیجہ میں فرشتے ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور جو فرشتے دعا کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ﴿ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

ایک سورۃ سبا کی آیت نمبر ۳ ہے ﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا. وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا. وَھُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ﴾۔ اب اس آیت میں رحیم کو پہلے فرمایا ہے اور غفور کو بعد میں۔ یہ دیکھنے والی بات ہے کہ کیوں ایسا ہوا ہے۔ سردست مجھے اس پر غور کا موقع نہیں ملا لیکن میں صرف پہلے ترجمہ پڑھتا ہوں۔ وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھ جاتا ہے اور وہ بار بار رحم کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ یہاں رحیم کو پہلے غالباً اس لئے رکھا گیا ہے کہ جو آسمان سے اترتا ہے پھر اس میں چڑھ جاتا ہے وہ ایک دفعہ نہیں ہوتا بلکہ بار بار ایسا ہوتا رہتا ہے۔ ہر وقت زمین سے کچھ مادے آسمان کی طرف اڑتے اور تحلیل ہوتے جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت بار بار ان کو دوبارہ زمین پر اتارتی رہتی ہے۔ پس یہ رحیمیت کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کو دوہراتا رہتا ہے اور رحیمیت کے ساتھ وہ بخشنے والا بھی ہے۔ اس دوران جو انسانوں سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ان کو معاف فرماسکتا ہے۔

پھر اسی مضمون کی دو آیتیں سورۃ السجدہ کی نمبر ۶ تا ۷ ہیں ﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾۔ ترجمہ: وہ فیصلے کو تدبیر کے ساتھ آسمان سے زمین کی طرف اتارتا ہے۔ پھر وہ ایک ایسے دن میں اس کی طرف عروج کرتا ہے جو تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ یہ وہ غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے جو کامل غلبہ والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اب یہاں ایک خاص مضمون ایسا بیان ہوا ہے جس کی طرف عموماً مفسرین کی نظر نہیں گئی۔ یہ جو فرمایا ہے تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے تو مراد یہ ہے کہ جس کو تم ایک دن گنتے ہو وہ تمہاری گنتی میں ایک دن ہے مگر اللہ کے نزدیک وہ ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ تو ایک سال میں جتنے دن ہوتے ہیں گویا اتنے ہزار سالوں کی بات فرمائی گئی ہے اور پھر اللہ کے حساب سے پچاس ہزار سال کا بھی وعدہ فرمایا گیا ہے۔ تو پچاس ہزار کو ان دنوں سے ضرب دے کے دیکھو تو میں نے حساب لگا کے دیکھا تھا سائنس دانوں کے لحاظ سے جو کائنات کی صف لپیٹی جاتی ہے وہ تقریباً اٹھارہ ارب سے بیس ارب سال کے درمیان زمین آسمان کی صف لپیٹی جاتی ہے۔ یہ سارا عرصہ ان آیات سے نکلتا ہے۔ پس قرآن کریم کا انداز بیان حیرت انگیز ہے۔ ایسی فصاحت و بلاغت ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے جب اس پر غور کرتا ہے تو پھر سمجھ آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے فرقوں سے کیا معنے مراد لئے گئے ہیں۔

اب سورۃ یٰسین کی آیات نمبر ۲ تا ۷ ﴿یٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾۔ اے سردار یعنی رسول اللہ ﷺ ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾ اور قرآن حکیم کی گواہی پیش کرتا ہوں۔ ﴿اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ کہ یقیناً تو بھیجے ہوؤں میں سے ہے۔ اب قرآن کی گواہی کیسے ہوئی۔ جو لوگ قرآن کو نہیں مانتے وہ اس کی گواہی کو کیوں مانیں گے۔ بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں اتنے عظیم الشان نشانات موجود ہیں کہ وہ اپنی بات کفار کو بھی منوانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ایسی آیات کریمہ ہیں جن کی تشریح کی جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے یہ باتیں نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں آئندہ زمانوں کے متعلق کہ جن کے متعلق انسان کو اُس زمانے میں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ یہاں تک موجود ہے کہ آسمانوں میں بھی ہم نے چلنے پھرنے والی مخلوق پیدا کی ہے۔ اب بتاؤ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو آسمان کا تصور ایک ایسے خول کی طرح تھا جس میں کچھ ستارے جڑے ہوئے ہوں مگر سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس میں چلنے پھرنے والی مخلوق موجود ہو گی۔ قرآن پیشگوئی کرتا ہے کہ موجود ہے اور تمہاری مخلوق کے ساتھ جو زمین کی مخلوق ہے اس زمین کو ایک زمانہ میں مجتمع بھی ضرور کر دیا جائے گا خواہ وہ پیغامات کے ذریعہ مجتمع ہوں یا بدنی طور پر مجتمع ہوں۔ تو اتنی واضح پیشگوئی زمین و آسمان سے متعلق قرآن کریم میں موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ اپنے نفس سے کر ہی نہیں سکتے تھے۔ تو اسی لئے فرمایا ہے کہ قرآن گواہ ہے ﴿اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ کہ یقیناً تُو خدا کے بھیجے ہوؤں میں سے ہے۔ ﴿عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ عین سیدھے راستہ پر چلنے والا ﴿تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ﴾ یہ تنزیل جو قرآن کی ہے ایک ایسے خدا کی طرف سے ہے جو بہت غالب، بہت عزت والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ کس لئے ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ تاکہ تُو ایک ایسی قوم کو تنبیہ کرے جن کے آباء واجداد کو تنبیہ نہیں کی گئی یعنی لمبے عرصہ سے ﴿فَھُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اسی وجہ سے وہ غافل ہو چکے ہیں۔

پھر سورۃ الدخان کی آیات ۴۱ تا ۴۳ ہیں ﴿اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُھُمْ اَجْمَعِیْنَ. یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ. اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰہُ

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ یعنی فیصلہ کا دن ان سب کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ مدد دئے جائیں گے سوائے اس کے کہ جس پر اللہ نے رحم کیا۔ یقیناً وہی کامل غلبہ والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہ جو فیصلہ کا دن آجائے گا اس سے مراد پہلے تو دنیا میں فیصلہ کا دن ہے۔ دنیا میں بھی قوموں کے درمیان تنازعے ہوتے ہیں اور فیصلہ کے دن آتے ہیں تو فرمایا یہ فیصلہ کا دن عیاں ہو یا قیامت کے بعد ہو مقرر ہے اور اس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ اس دن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کے کام نہیں آسکتا۔ کسی کی رشتہ داری کام نہیں آسکتی، کسی کی دوستی، کسی کا خونی تعلق کام نہیں آسکتا سوائے اس کے جس پر اللہ نے رحم کیا۔ جس پر اللہ رحم کرے اس کو اس فیصلہ کے دن سے نجات بخشی جاسکتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

کہ آگ تو ہوگی یعنی یہ کہ مثلاً ایک ایٹمی جنگ چھڑ چکی ہے اس سے زیادہ خوفناک بلا کون سی ہو سکتی ہے مگر اس میں بھی خدا تعالیٰ سے سچی محبت کرنے والے بچائے جائیں گے۔ یہ ایک پیشگوئی ہے جو پوری ہونے والی ہے اور اس سے پہلے بارہا پوری ہو بھی چکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن زلازل کی اور عذابوں کی پیشگوئیاں فرمائی تھیں ان زلازل میں اور عذابوں میں احمدیوں کو جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے غلام تھے غیر معمولی طور پر بچالیا گیا۔ ایسے حیرت انگیز واقعات ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ مثلاً کانگڑہ کا زلزلہ آیا، بہت وسیع پیمانے پر دیہات خُورد بُرد کر دئے گئے۔ ایسے دیہات بھی تھے جس میں ایک گھر بھی باقی نہ بچا۔ وہ الٹ گیا تھا اور ساری آبادی ہلاک ہو چکی تھی۔ ایک گھر احمدیوں کا تھا وہ احمدی اپنے بچوں سمیت زندہ نکل آیا۔ وہ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت اس نے ایک چارپائی کے نیچے پناہ لی۔ اس چارپائی پر کچھ نہیں گرا۔ جو کچھ بھی ملبہ گرا دیواروں کا اور چھت کا وہ اردگرد گرتا رہا اور اس میں سے وہ زندہ نکل آیا۔ تو یہ پیشگوئی تھی جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلچسپی سے لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ تم کہاں سے آئے ہو وہاں زلزلہ آیا تھا؟ کہتے جی ہاں آیا تھا۔ کیا ہوا؟ سارا گاؤں برباد ہو گیا پھر۔ بس اب ہم زندہ ہیں، ہم آپ کی پیشگوئی کے مطابق زندہ بچ گئے ہیں۔ تو یہ ہے عزیز رحیم کے متعلق۔ عزیز جو عزت والا ہے اور غالب ہے، غلبہ والا ہے اور اس کا غلبہ اس شان سے پورا ہوتا ہے کہ ہلاکتوں کے وقت جبکہ دنیا تباہ ہو جاتی ہے وہ جس کو چاہے بچا لیتا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ وہ دائمی غلبہ والا، عزت والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

اب سورۃ یٰسٓ کی آیات ۵۶ تا ۵۹ ﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ﴾ یقیناً جنت والے اس دن ایک شغل میں مصروف ہونگے۔ ﴿فٰكِهُوْنَ﴾ سے مراد دلچسپیوں میں لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔ ﴿هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ﴾ وہ بھی اور ان کے ازواج بھی ﴿فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ﴾ سایوں کے نیچے ہونگے اور تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے ﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ﴾ ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہونگے اور جو کچھ بھی وہ چاہیں گے ان کو دیا جائے گا۔ ﴿سَلٰمٌ. قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾۔ یہ سلام ہے، تیرے ربّ رحیم کی طرف سے قول ہے۔ یعنی سلام کا قول تیرے ربّ رحیم کی طرف سے ہے۔

اب یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایسی کوئی جنت نہیں ہے جس میں ظاہری طور پر کوئی لوگ پھل کھا رہے ہیں، ہر وقت لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ تو عجیب و غریب ست رووں کی جنت بن جائے گی کہ اور کوئی شغل نہیں ہے بس لیٹے ہوئے تکیوں کے اوپر اور آمنے سامنے ایک دوسرے سے پیار کی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ ساری تمثیلات ہیں اور جنت کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تمثیلی پیشگوئیاں ہیں اور یہی حال جہنم کا ہے۔ جس قسم کے جہنم کے گڑھے کا تصور آپ کے دماغ میں آتا ہے ویسا نہیں ہے۔ ایک موقع پر قرآن کریم کی ایک آیت نازل ہوئی کہ ﴿عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ کہ جنت کا حجم جو ہے وہ آسمانوں اور زمین کے حجم کے مطابق ہے یعنی ساری کائنات میں وہ جنت پھیلی پڑی ہے جس جنت کی طرف اللہ کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے تعجب سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر جنت ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے تو جہنم کہاں ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ بھی وہیں ہے وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ لیکن تمہیں شعور نہیں ہے۔ تو یہ ایسی باتیں ہیں جو اِس دور کے زمانہ میں Relativity کے ذریعہ سمجھ آجاتی ہیں مگر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تو Relativity کا کوئی تصور نہیں تھا پھر بھی دیکھیں خدا تعالیٰ نے کیسے آپ سے وہ باتیں کہلوائیں جو اس زمانہ کے بڑے بڑے عالم بیان کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"سلام تو وہ ہے جو خدا (تعالیٰ) کی طرف سے ہو۔ خدا (تعالیٰ) کا سلام وہ ہے جس نے ابراہیمؑ کو آگ سے سلامت رکھا۔ جس کو خدا کی طرف سے سلام نہ ہو بندے اس پر ہزار سلام کریں اس کے واسطے کسی کام نہیں آسکتے۔ قرآن شریف میں آیا ہے ﴿سَلٰمٌ. قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ (بدر جلد نمبر ۶ نمبر ۳۱ یکم اگست ۱۹۰۷ء) کہ سلام ہے قول ایسا جو رب رحیم کی طرف سے ہے۔

پس یاد رکھیں یہ سورۃ یٰسٓ کی آیت ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مردے کے پاس نہیں بلکہ زندہ جب موت کے قریب ہو اس پر یہ سورت تلاوت کی جائے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ جن سے بخشش کا سلوک ہوتا ہے، جن پر خاص رحمت ہو وہ اس وقت دم توڑتے ہیں جب یہ الفاظ نکلتے ہیں ﴿سَلٰمٌ. قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾۔ پس ایک تو میں بھی اس بات پر گواہ ہوں کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات تھی، نزخرے کا عالم تھا اس وقت یہ سورت آپ کے اوپر تلاوت کی جا رہی تھی، عین اس وقت آپ کا دم ٹوٹا جبکہ ﴿سَلٰمٌ. قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ پہ قاری پہنچا ہوا تھا۔ تو یہ بھی خدا تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ خدا کرے کہ ہر مرنے والے کو یہ تجربہ ہو کہ ﴿سَلٰمٌ. قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ پر ہی اس کی جان ٹوٹے۔

اب آخری آیت آج کے لئے میں نے سورۃ حٰمٓ السجدہ کی ۲ تا ۴ یہ تین آیات لی ہیں۔ ﴿حٰمٓ﴾۔ صاحب حمد اور صاحب مجد۔ اس کا نازل کیا جانا رحمٰن اور رحیم کی طرف سے ہے یعنی قرآن کریم کا نازل کیا جانا رحمٰن اور رحیم کی طرف سے ہے یعنی رحمٰن کے لحاظ سے قرآن نازل ہوا ہے اور رحمانیت ہی کے نتیجہ میں قرآن نازل ہوا ہے۔ اور رحیمیت کا پیغام دیتا ہے یعنی جو رحمانیت بنی نوع انسان کے لئے، ہر انسان کے لئے عام ہے رحیمیت ان لوگوں کے لئے خاص ہے کہ رحمانیت کے نتیجہ میں جو کچھ عطا ہوا بار بار پھر وہ دوبارہ بھی عطا ہوتا چلا جائے۔ جیسے موسموں کا حال ہے ہر موسم ہے پھل نکلنے کا، پھل کاٹنے کا اور وہ آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ رحمانیت کے نتیجہ میں ملتا ہے۔ ہم نے تو نہیں اپنی طرف سے کچھ بنایا لیکن جب چلا جاتا ہے تو اگلے سال پھر آجاتا ہے۔ ہر وقت انسان کو موقع ملتا ہے کہ دوبارہ اس سے استفادہ کر سکے۔

فرمایا یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ ایک ایسے قرآن کی صورت میں جو نہایت فصیح و بلیغ ہے ان لوگوں کے فائدہ کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔